امام جعفر صادق علیہ السلام اور سیاسی جدوجہد

آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی
ترجمہ: مولانا سید ولی الحسن رضوی صاحب

۱۱۴ھ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد صادق اہلبیت طہارت امام جعفر صادقؑ مسند امامت پر متمکن ہوتے ہیں اور ۱۴۸ھ تک (تا حیات) اس سیاسی جدوجہد کو جاری رکھتے ہیں البتہ وقت اور حالات کے اعتبار سے آپ کے دور کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا مرحلہ: ۱۱۴ھ تا ۱۳۲ھ یا ۱۳۵ھ یعنی تا غلبۂ بنی عباس یا تا خلافت منصور دوانقی

دوسرا مرحلہ: ۱۳۵ھ تا ۱۴۸ھ یعنی تا آخر لمحۂ حیات

پہلا دور نسبتاً اطمینان وسکون کا دور کہا جا سکتا ہے دراصل یہی وہ دور ہے جس کے بارہ میں مشہور ہے کہ بنوامیہ اور بنو عباس کے درمیان نزاع و چپقلش کی وجہ سے ائمہ علیہم السلام کو اس بات کا موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ معارف تشیع کھل کر بیان کر سکیں اور یہ اسی دور سے مخصوص ہے کیونکہ امام محمد باقر علیہ السلام کے دور میں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ اسوقت بنوامیہ پورے اقتدار میں تھے اور ہشام بن عبدالملک کی حکومت تھی جسکے بارے میں لوگ کہتے ہیں ''و کان هشام رجلهم'' چنانچہ شاہان بنوامیہ میں عبدالملک بن مروان کے بعد طاقتور ترین شخصیت ہشام بن عبدالملک کی ہی گزری ہے لھذا امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانہ میں کسی کا کسی کے ساتھ کوئی ایسا اختلاف و تنازعہ بظاہر رونما نہیں ہوا کہ اس کا ائمہ علیہم السلام فائدہ اٹھا کر اپنی سیاسی سرگرمی کو تیز تر کر سکتے تمام داخلی جنگیں اور سیاسی اختلافات امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور سے مخصوص ہیں اور وہ بھی اس ابتدائی دور سے جب آہستہ آہستہ بنو عباس کی سرگرمی تیز تر ہوتی ہے اور ان کی دعوت میں پھیلاؤ پیدا ہونا شروع ہوتا ہے اور دوسری طرف علوی شیعوں کی دعوت بھی پوری اسلامی دنیا میں اس اوج پر نظر آتی ہے کہ فی الحال اس کی تشریح کا موقع نہیں ہے۔

جس وقت امام صادق علیہ السلام مسند امامت پر متمکن ہوتے ہیں پوری اسلامی دنیا ـــــ افریقہ، خراسان، فارس، ماوراء النہر ـــــ غرض یہ کہ مختلف اسلامی علاقوں میں جنگ اور مقابلہ آرائی کا بازار گرم تھا بنوامیہ کی حکومت شدید مشکلات سے دوچار تھی امام علیہ السلام نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی تبلیغ کے لئے وہی تین نقطے محور و مرکز قرار دیئے یعنی معارف اسلامی، مسئلہ امامت نیز اس کا اہلبیت علیہم السلام سے مخصوص ہونا، خصوصاً یہ تیسرا عنصر پہلی مرتبہ اس دور میں امام صادقؑ کی زبان سے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جس کا ایک نمونہ عمرو بن ابی المقدام کی یہ روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں: **رأیت ابا عبدالله یوم عرفه بالموقف وهو ینادی باعلیٰ صوته** ـــــ حضرت عرفات میں لوگوں کے

درمیان کھڑے ہوکر عظیم اجتماع سے بآواز بلند خطاب فرماتے ہیں اور ایک ہی جملہ کبھی اس طرف رخ کر کے اور کبھی اس طرف رخ کر کے ہر چہار طرف تین تین مرتبہ تکرار فرماتے ہیں اور وہ جملہ یہ تھا۔

ایها الناس ! ان رسول اللّٰہ کان هو الامام (اس میں کلمۂ امام کا استعمال قابل توجہ ہے اور یہ اس حقیقت کی طرف نشان دہی کرتا ہے کہ امامؑ اس طرح عوام کے ذہن کو امامت کی حقیقت سے روشناس کرتے ہوئے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آیا وہ لوگ جو برسر اقتدار ہیں امامت کے سزاوار ہیں یا نہیں؟) **ثم کان علی ابن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی ابن الحسین ثم محمد ابن علی ثم هاه فینادی ثلاث مرات لمن بین یدیه و لمن خلفه و عن یمینه و عن یساره اثنا عشر ة صوتا''**

یعنی اے لوگو! یقیناً امام رسولؐ خدا تھے پھر آپ کے بعد علی ابن ابی طالبؑ اور پھر حسنؑ اور پھر حسینؑ پھر علیؑ ابن الحسینؑ پھر محمد بن علیؑ اور اس کے بعد ''ھاہ'' (یعنی میں)......مجموعاً بارہ مرتبہ آپ نے ان جملوں کی تکرار فرمائی۔ راوی کہتا ہے میں نے سوال کیا کہ اس 'ھاہ' سے کیا مراد ہے؟ کہتے ہیں: بنی فلاں کی لغت میں، یعنی میں، اس سے کنایہ خود حضرت کی طرف ہے یعنی محمد بن علی علیہ السلام کے بعد میں امام ہوں۔

دوسرا نمونہ:

قال قدم رجل من اهل الکوفه الی خراسان فدعا الناس الیٰ ولایة جعفر بن محمد ـــــ ایک شخص مدینہ سے خراسان پہونچتا ہے اور لوگوں کو امام جعفر ابن محمد کی ولایت یعنی حکومت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

آپ ایران میں اسلامی انقلاب کی تحریک کا مطالعہ فرمائیں وہ وقت جبکہ ہم کھل کر جمہوری اسلامی یا حکومت اسلامی کی بات کرسکیں کب پیدا ہوا؟ ہم لوگ اس پوری تحریک اور جد و جہد کے دوران برسوں تک زیادہ سے زیادہ حکومت کے سلسلہ میں اسلامی نظریات کی گفتگو کر پاتے تھے یعنی بہت ہوا تو یہ کہہ یا کہ حکومت کے بارے میں اسلام نے کیا اصول وضوابط پیش کئے ہیں اور حاکم کو کن شرائط کا حامل ہونا چاہیے۔ بس اس سے زیادہ ہم اور کچھ نہیں کہہ سکتے تھے حکومت اسلامی کی تشکیل کی دعوت دینے یا کسی خاص شخص کا حاکم کے طور پر نام لینے کی نوبت نہیں آسکی تھی۔ ۱۹۷۸ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۷۷ء میں اور وہ بھی خاص محفلوں میں ہمارے لئے ممکن ہوسکا تھا کہ اپنی جد و جہد کو حکومت اسلامی کی دعوت کے ساتھ مشخص کر سکیں اور اس وقت بھی کسی کو اس کے حاکم کے طور پر معین نہیں کر سکے تھے ـــــ ان حقائق کی روشنی میں آپ ملاحظہ فرمائیں کہ لوگ مملکت اسلامی کے دور دراز علاقوں میں امام صادق علیہ السلام کی حکومت کی طرف عوام کو دعوت دیتے ہیں، اس کے معنی کیا ہیں؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب وہ وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آچکا ہے؟ یہ وہی ۱۴۰ھ کا سال ہے، یہ وہی چیز ہے جو ائمہ علیہم السلام کی مسلسل جد وجہد کا فطری تقاضہ ہے اور حکومت اسلامی کی تشکیل کی خوش آیند ساعت کی نشان دہی کرتی ہے۔

لوگوں کو امام جعفر ابن محمدؑ کی ولایت وحکومت کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ آج ہم ولایت کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے ہیں، پہلے ولایت کا مطلب محبت کرنا بتایا جاتا تھا لوگوں کو امام صادقؑ کی ولایت یعنی محبت کی طرف دعوت دینا؟ اس میں دعوت دینے کا کیا مطلب ہے؟ محبت کوئی ایسی کوئی چیز تو نہیں ہے کہ جس کی معاشرہ کو دعوت دی جائے! اس کے علاوہ اگر ولایت کا مفہوم محبت لیا جائے تو

حدیث کے بعد کے فقرے بے معنی ہوجاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: ففرقه اطاعت و اجابت ایک فرقہ نے اطاعت وقبولیت کا ثبوت دیا۔ و فرقة جهدت و انکرت اورایک فرقہ نے انکار کیا اور قبول نہ کیا (اسلامی دنیا میں محبت اہلبیتؑ سے کون لوگ انکار کرتے تھے؟!!) و فرقة ورعت و وقفت اورایک فرقہ نے ورع اختیار کرتے ہوئے خاموشی سادھ لی۔ تورع اور توقف کا بھی کسی طرح محبت اہلبیتؑ کے ساتھ کوئی ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ خود اس بات کا قرینہ ہیں کہ ولایت سے مقصود کچھ اور ہے، ظاہر ہے وہ حکومت ہی ہوسکتی ہے۔ حدیث کے آخری فقرے کچھ اس طرح ہیں: فخرجت من كل فرقة رجل فدخلوا على ابى عبدالله ہر طرف سے لوگ امام کی خدمت میں آتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں۔ حضرتؑ ان میں سے ایک سے جس نے خاموشی اختیار کی تھی فرماتے ہیں: تم نے اس سلسلہ میں جو توقف و تورع اختیار کیا اس وقت یہ تورع کیوں نہ اپنایا جب فلاں نہر کے کنارے فلاں روز فلاں مخالف اسلام کا کام انجام دے رہے تھے؟! یہ ارشاد بخوبی اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ شخص جس نے خراسان میں امامؑ کی ولایت کی طرف دعوت کا فریضہ انجام دیا تھا امام کی رضا کے بعد یہ کام انجام دیا تھا بلکہ ممکن ہے کہ خود امام علیہ السلام نے ہی اس کو اس بات پر مامور کیا ہو۔

یہ گفتگو امام صادق علیہ السلام کی زندگی کے پہلے مرحلہ سے تعلق رکھتی تھی اور آپ کی زندگی میں ایسے نشانات ملتے ہیں کہ غالباً اس طرح کی تمام چیزیں اسی پہلے دور سے مربوط ہیں یہاں تک کہ منصور عباسی کی خلافت کا دور شروع ہوجاتا ہے منصور کے برسر اقتدار آتے ہی پھر مشکلات کا دور شروع ہوجاتا ہے اور تقریباً امام کے لیئے وہی حالات پیدا ہوجاتے ہیں جن سے امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی دوچار تھی طرح طرح کے دباؤ آپ پر پڑنے لگتے ہیں۔ حضرتؑ کو بارہا حیرہ، واسطہ، رمیلہ نیز دوسری جگہوں پر طلبی اور جلاوطنی کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، کئی مرتبہ حضرت کو خلیفہ کی طرف سے سخت لب ولہجہ میں مورد خطاب اور غم وغصہ کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ ایک دفعہ خلیفہ یہاں تک کہتا ہے کہ قتلنی الله ان لم اقتلک خدا مجھے زندہ نہ رکھے اگر میں آپ کو قتل نہ کروں، ایک دفعہ حاکم مدینہ کو حکم دیتا ہے کہ: ''ان احرق على جعفر بن محمد داره'' (یعنی حضرت کے ساتھ آپ کے گھر میں آگ لگادو) حضرت جلتی ہوئی آگ کو عبور کرتے ہیں اور بڑے ہی توکل واعتماد کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے دلوں کو چھید دینے والے لب ولہجہ میں یہ الفاظ بیان فرماتے ہیں: ''انا ابن اعراق الثرى انا ابن محمد المصطفیٰؐ''

جس نے دشمنوں کو بھی اور ذلیل وخوار کیا ــــــ ایسا لگتا ہے کہ امام صادق علیہ السلام اور منصور کے تعلقات نہایت کشیدہ رہے ہیں چنانچہ منصور نے بارہا امامؑ کو دھمکیاں بھی دی ہیں۔ اگر چہ اس طرح کی روایات بھی ملتی ہیں جن میں امام کو منصور کے سامنے اپنی حقارت و عاجزی (معاذاللہ) کا اظہار کرتے ہوئے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے!! اور یقینی طور پر ان میں سے ایک روایت بھی درست وقابل اعتماد نہیں ہے، میں نے ان روایات کا جائزہ لیا اور تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ ان کی کوئی اصل وحقیقت نہیں ہے۔ ان کا سلسلہ زیادہ تر ربیع حاجب تک پہونچتا ہے جس کا فاسق ہونا قطعی ویقینی ہے اور وہ منصور کے قریبی لوگوں میں سے ہے تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں ''ربیع شیعہ اور دوستدار اہلبیتؑ تھا''! ربیع کہاں اور شیعہ ہونا کہاں؟ ربیع ابن یونس منصور کا مطیع وفرمانبردار اور حکم کا غلام ہے اور ان افراد سے ہے جو بچپن سے بنی عباس کے نوکروں میں سے تھے اور

بقیہ صفحہ ۲۵ پر

حضورؐ کے دودھ شریک بھائی دفن ہوئے۔ جن کی وفات غزوۂ بدر کے بعد ہوئی تھی۔ ان کی قبر یہاں سب سے پہلی قبر تھی اس کے بعد دوسری قبر حضورؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی بنی تھی اور پھر بعد میں دوسرے لوگوں کے دفن ہونے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

طبقات ابن سعد اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضورؐ انور نے اس خطہ زمین کو اپنے اصحابؓ و اہل بیتؑ کے لئیے خود منتخب فرمایا تھا جس کے پہلے مدفون حضرت عثمانؓ بن مظعون ہوئے۔ یہ بڑے عابد و زاہد صحابی تھے اور حضور ان سے بیحد محبت فرماتے تھے ان کی وفات کے بعد آنحضرتؐ نے ان کے چہرے سے چادر ہٹا کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تھا اور گریہ فرمایا اور فرماتے تھے کہ ابن مظعون ہمارے بہترین سلف ہیں ۔ انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ ان کی زندگی میں ان کے ایک فرزند کا انتقال ہوگیا تھا جس کے غم میں انہوں نے ترک دنیا کا ارادہ کرلیا اور اپنے گھر کے ایک گوشہ میں دن رات عبادت کرنے لگے۔ جب حضورؐ کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا (اے ابن مظعون) اللہ نے ہمیں رہبانیت یعنی ترک دنیا کی اجازت نہیں دی ہے۔ ہماری رہبانیت راہ حق میں سعی و کوشش اور جہد و عمل کا نام ہے یعنی یہ کہ ہم مصائب پر صبر و تحمل سے کام لیں اور اپنے فرائض زندگی میں فرق نہ آنے دیں۔

غرض قبرستان بقیع وہ جنت ارضی اور خطۂ نورانی ہے،

ع۔ جس کے ہر ذرہ میں پنہاں ہیں ہزاروں آفتاب

بقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور۔۔۔۔۔۔۔۔

بعد میں منصور کا حاجب ہوگیا اور بے پناہ خدمتوں کے عوض بالآخر منصب وزارت پر فائز ہوگیا جس وقت منصور مرا ہے اگر یہ ربیع نہ ہوتا تو خلافت منصور کے خاندان سے باہر چلی گئی ہوتی اور شاید اس کے چچاؤں کا خلافت پر قبضہ ہوجاتا۔ یہ ربیع ہی تھا جو مرتے وقت منصور کے سرہانے موجود تھا اور اس نے منصور کے بیٹے مہدی کے حق میں جعلی وصیت پیش کردی اور مہدی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ فضل بن ربیع جو بعد میں ہارون اور امین کے دربار میں وزارت پر فائز ہوا، اسی ربیع کا بیٹا تھا۔ یہ خاندان ان خاندانوں میں سے ہے جو بنی عباس کی نمک خواری و وفاداری میں کافی مشہور ہے ان کے دلوں میں اہلبیت علیہم السلام کے تئیں کسی طرح کی ارادت و محبت نہیں پائی جاتی اور جو کچھ ربیع نے امام صادق علیہ السلام کے سلسلہ میں کہا ہے سراسر جھوٹ اور جعل ہے اور ان تمام کوششوں کے پس پشت اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ موجودہ اسلامی معاشرہ کو یہ باور کرایا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ جیسی شخصیت بھی منصور کے سامنے عاجزی اور تذلل کا اظہار کرچکی ہے تاکہ دوسرے افراد اپنی حیثیت کے بارہ میں خود ہی فیصلہ کرلیں۔

منصور اور امام صادق علیہ السلام کے تعلقات انتہائی کشیدہ تھے جو ۱۴۸ھ میں امام کی شہادت پر منتہی ہوتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

* بلاشبہ یہ قرآن ہدایت کا منارہ اور اندھیرے کا چراغ ہے۔ چاہیئے کہ طالب حق آنکھوں کو کھولے اور اس طرح سے چشم و نظر کو نورانی کرے۔ صاحبان بصیرت کے لیئے غور و فکر، حیات افروز ہے بالکل اس طرح جیسے اندھیروں میں روشنی راہ گیر کے لیئے ضروری ہوتی ہے۔